NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

مسائل حیات میں حکمت معاملات کی اہمیت: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

"The Importance of Wisdom in Dealing with Life Matters: In the Light of the Seerah of the Prophet Muhammad Peace Be Upon Him"

Dr. Muhammad Ayaz
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Ghazi University, DGK.
Email: ayaz.te.bwp@gmail.com
Dr. Nazir Ahmad Bhutta
Lecturer, Islamabad Model Postgraduate College H8, Islamabad, Pakistan.
Email: whitewall786@gmail.com

Abstract

One of the root causes of modern life's challenges is the absence of wisdom in human dealings. No matter how much effort or resources are invested in addressing an issue, success often remains elusive if decisions lack wisdom and thoughtful consideration. True wisdom does not always manifest in speech, confrontation, or display of power, sometimes it lies in silence, retreat, or accepting another's opinion for a greater good. The widespread intolerance, impatience, and social unrest in our society largely stem from a failure to apply wise conduct in interpersonal and communal affairs. Wisdom is a divine gift, as emphasized in the Qur'an: "He grants wisdom to whom He wills, and whoever is granted wisdom has certainly been given much good." (Al-Baqarah 2:269). This research article explores the importance of "wisdom in conduct" in resolving life's complex issues by drawing insights from the Seerah of Prophet Muhammad (PBUH) who is the finest embodiment of divine wisdom. His life serves as a comprehensive model for when to speak or remain silent, when to show strength or practice restraint, and when to advance or yield in the face of trials. By analyzing practical examples from the Prophetic tradition, this study highlights how applying the Prophet's (PBUH) wisdom-based approach in personal, social, and strategic matters can lead to harmony, success, and lasting solutions to life's pressing problems.

Keywords: Wisdom in Conduct, Life Challenges, Seerah of the Prophet Muhammad (PBUH), Islamic Guidance, Decision Making, Social Harmony, Strategic Patience, Divine Wisdom, Conflict Resolution, Prophetic Wisdom.

ARTICLE INFO
Article History:
Received:
22-06- 2025
Revised:
24-06- 2025
Accepted:
24-06- 2025
Online:
25-06- 2025

CC BY

1. موضوع کا تعارف

ہماری زندگی کے مسائل کا ایک بہت بڑا سبب ہمارے کاموں میں حکمت کا فقدان ہے. ایک کام پر جتنی بھی محنت اور جہد مسلسل کی جائے اگر اس میں حکمت مفقود ہے تو اس میں کبھی بھی کامیابی نہیں مل سکتی. ہمیشہ بولنا ہی حکمت نہیں ہوتا کبھی کبھی حکمت خاموشی کا تقاضا کرتی ہے. ہمیشہ ڈٹ جانا ہی حکمت نہیں ہوتا کبھی کبھی بلند مقاصد کے لیے دوسرے کی بات ماننا اور اپنی رائے سے پیچھے ہٹ جانا بھی حکمت ہوتا ہے. ہمیشہ طاقت کا اظہار ہی دانشمندی نہیں ہوتا کبھی حکمت کوئی دوسرا تقاضا بھی کرتی ہے۔ ہمارے معاشرے جو عدم برداشت، بے صبری اور بات بات پر لڑائی جھگڑا ہے اس کی اصل وجہ بھی حکمت معاملات کا فقدان ہے۔ معاشرتی حسن اور تعلقات کی مضبوطی بھی اسی حکمت معاملات پنہاں ہے۔

حکمت ایک عظیم عطیہ خداوندی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے قران مجید میں فرمایا

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚوَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭوَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔[1]

"اللہ تعالی جسے چاہتا ہے حکمت سے نواز دیتا ہے حکمت عطا کر دی گئی اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی اور نصیحت تو ارباب دانش ہی حاصل کرتے ہیں"

ہماری زندگی میں ہمیں جو مسائل درپیش ہوتے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہم ان مسائل کو حل کرنے میں محنت تو خوب کرتے ہیں، بے دریغ وسائل بھی بہا دیتے ہیں لیکن حکمت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔ اگر یہاں کسی کی عزت نفس کو بحال کرنا ضروری ہو وہاں اسے دبانے کی کوشش کی جائے، یہاں کسی کے ضمیر کو جگانے کا مرحلہ درپیش ہو وہاں اس کی انا کو جگا دیا جائے، یہاں پیچھے ہٹنا مصلحت کا تقاضہ ہو وہاں اگے بڑھنے کی کوشش کی جائے اور یہاں تصادم سے بچنا ضروری ہو وہاں جنگ کو جرات وبسالت کا تقاضا سمجھ لیا جائے تو ان تمام صورتوں کے نتائج تباہ کن نکلیں گے کیونکہ یہاں حکمت سے کام نہیں لیا گیا اور اگر معاملات کے حل کرنے میں حکمت کو نظر انداز کر دیا جائے تو تمام محنتیں رائیگاں ہو جاتی ہیں انسان سب کچھ کرنے کے باوجود کچھ نہیں کر پاتا۔ وہ تمام عمر چلتا ہے لیکن منزل سے دوریاں بڑھتی ہی رہتی ہیں۔

زندگی کے ان مسائل کا حل سیرت النبی ﷺ میں مضمر ہے بولنا کہاں ہے اور خاموش کہاں رہنا ہے؟ اگے کب بڑھنا ہے اور رکنا کہاں ہے؟ نرمی کب کرنی ہے اور سختی کا مظاہرہ کہاں کرنا ہے؟ اور زندگی کے دیگر نازک ترین مراحل میں حکمت کا تقاضہ کیا ہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات کا عملی نمونہ رسول حکمت ﷺ کی سیرت طیبہ ہے جسے خالق کائنات کی طرف سے بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ زندگی کے رخ ختم ہو جاتے ہیں لیکن سیرت نبوی ﷺ کی رہنمائی ختم نہیں ہوتی۔ مسائل حیات میں سرخرو ہونے اور کامیابی و کامرانی پانے کے لیے سیرت نبوی ﷺ کے بنیادی پہلوؤں کو ہم اس مقالہ میں زیر بحث لائیں گے۔ تاکہ حکمت معاملات کے ذریعے ہم اپنے روزمرہ کے مسائل حیات کو حل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے استفادہ کر سکیں۔

I. فیصلہ کرتے وقت لوگوں کی عزت نفس کا خیال رکھنا

یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ جب لوگوں میں کوئی نزاع ہو جائے تو انہیں قاضی بھی وہی اچھا لگتا ہے جو ان کے حق میں فیصلہ دے اور فیصلہ جس کے بھی خلاف آئے تو اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لیتے ہیں جو عموما دھیرے دھیرے اس کی زبان پر آجاتے ہیں اور پھر حالات کسی حد تک بھی بگڑ سکتے ہیں۔ یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ جب فریقین کسی کو فیصلے کا اختیار دے دیں تو وہ کسی فریق کی

عزت نفس کو جتنا بھی مجروح کرے، اس کے وقار کے ساتھ جو بھی حقارت امیز معاملہ کرے، وہ ایسا کر سکتا ہے۔ فریقین اسے اختیار دے چکے ہیں لیکن اگر اس نے کسی کے بھی جذبات مجروح کیے تو دلوں کی نفرتیں بڑھتی جائیں گی اور حالات کوئی اور رخ اختیار کر کے خراب ہوتے جائیں گے۔

اس تناظر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا سبق یہ ہے کہ ایسے نازک موقع پر فیصلہ حکمت پر مبنی ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ وہ فیصلہ سب کے حق میں تو نہیں ہو سکتا لیکن عزت نفس سب کی ملحوظ خاطر رہے اور وقار کسی کا مجروح نہ ہونے پائے۔ یہ سبق رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعدد واقعات سے ملتا ہے۔

سب سے پہلے حجر اسود کی تنصیب کے معاملہ پر غور فرمایئے۔ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل کی بات ہے۔ بیت اللہ شریف کی عمارت بہت بوسیدہ ہو گئی اور سیلاب سے بھی عمارت کو بہت نقصان پہنچا تو حرم کے باسیوں نے بیت اللہ شریف کی عمارت منہدم کر کے اسے نئے سرے سے تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔ انہوں نے حلال وطیب کمائی سے اس کی تعمیر کرنے کا اعلان کیا۔ تعمیر شروع ہو گئی مختلف قبائل نے دیواروں کے مختلف حصے بنانے کا شرف حاصل کیا لیکن جب حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تو ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف مجھے ملے ۔جب معاملات میں مذہبی جذبوں کے ساتھ خاندانی عصبیت بھی شامل ہو جائے تو حالات بہت گھمبیر ہو جاتے ہیں۔ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف پانے کے لیے قبائل جنگ و جدل پر کمر بستہ ہو گئے۔ خون کے بھرے ہوئے پیالے میں انگلیاں ڈوب کر عہد لیے گئے کہ یہ شرف ہمارے ہی قبیلے کو ملے گا کوئی اور یہ سعادت نہیں پائے گا جب حالات بہت زیادہ بگڑ گئے تو ابو امیہ بن مغیرہ نے کہا: اے گروہ قریش! اس معاملے میں اس شخص کو حکم مان لیتے ہیں جو کل سب سے پہلے مسجد کے دروازے سے داخل ہو گا۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا۔

خدائی اہتمام ملاحظہ ہو کہ دوسرے دن سب سے پہلے حرم شریف کے دروازہ باب بنی شیبہ سے جو ذات سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہوئی وہ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس واطہر تھی۔

انہیں تو اپنے معاہدے کے مطابق سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے کسی بھی شخص کا فیصلہ قبول ہوتا اگرچہ اس کے متعلق ذاتی طور پر ان کے کچھ تحفظات بھی ہوتے، لیکن جب انہوں نے رسول امین ﷺ کو سب سے پہلے حرم میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ آپ کی صداقت و امانت کے تو کلمے پڑھتے تھے تو آپ کو دیکھتے ہی وہ پکار اٹھے۔

هذا الامين رضينا هذا محمد فلما.....[2]

"یہ امین ہیں ہم ان سے راضی ہیں یہ تو محمد ﷺ ہیں آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہوں نے آپ کو صورتحال بتائی رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ایک چادر لاؤ، چادر لائی گئی. آپ نے حجر اسود کو اپنے دست پاک سے اس چادر میں رکھ دیا اور فرمایا: ہر قبیلے کا ایک فرد اس چادر کا ایک کونہ پکڑلے پھر سارے اسے اٹھاؤ۔ سب نے چادر کو اٹھا کر حجر اسود کو اس کے نصب کرنے والی جگہ پر پہنچا دیا رسول کریم ﷺ نے اپنے دست اقدس سے اس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا تو بیت اللہ کی تعمیر مکمل کی گئی"۔

رسول کریم ﷺ کی سیرت کا یہ واقعہ بہت ہی قابل توجہ ہے اس سے حکمت و دانش کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو حکم مان لیا تھا۔ آپ جو بھی فیصلہ کرتے انہیں اسے بہر حال تسلیم ہی کرنا تھا۔ آپ کسی ایک قبیلے کو فرما دیتے کہ حجر اسود کو نصب کرو تو باقی قبائل اس فیصلے کو بھی ماننے کے پابند ہوتے لیکن وہ یہ ضرور محسوس کرتے کہ فلاں قبیلے کو یہ اعزاز مل گیا لیکن ہماری عزت نفس مجروح ہو گئی۔ ہمارے وقار پر حرف آ گیا۔ وقتی طور پر تو معاملہ دب جاتا لیکن دلوں میں چھپے ہوئے یہ منفی جذبات کبھی کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ ضرور بن جاتے۔ حکمت نبوی ﷺ ملاحظہ ہو کہ آپ ﷺ نے ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا کہ کوئی بھی قبیلہ یہ سمجھے کہ ہماری عزت نفس

مجروح ہوئی آپ ﷺ نے چادر کے کونے سب قبیلے والوں کو پکڑا کر سب کے وقار کو ملحوظ خاطر رکھا اور سب قبیلے بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ ہماری عزت نفس محفوظ رہی۔

سیرت نبوی ﷺ کا یہ پہلو زندگی کے بہت سے مسائل کا حل پیش کرتا ہے کیونکہ فیصلہ کرنے کا معاملہ صرف قاضی اور جج کو ہی پیش نہیں آتا ہر بندہ اپنی جگہ پر ایک قاضی بھی ہوتا ہے اور جج بھی۔ یہ تنازعہ اس کے دو دوستوں کے درمیان بھی ہو سکتا ہے، دور شتہ داروں کے درمیان بھی اور دو بچوں کے درمیان بھی۔ اس موقع پر اگر اپنی غالب حیثیت کے زعم میں کسی کے جذبات بھی مجروح کیے تو اس وقت تو شاید بات دب جائے لیکن یہ دبے ہوئے جذبات کسی نہ کسی موقع پر کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ ضرور بنیں گے۔ ایسے موقع پر سیرت نبوی ﷺ کا درس یہ ہے کہ فیصلہ کرنے میں کوئی ایسا حکیمانہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ کسی کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں اور سب کی عزت نفس اور وقار محفوظ رہے۔

سیرت نبوی ﷺ کا ایک اور منظر ملاحظہ ہو جب آپ ہجرت فرما کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ ان کے ہاں جلوہ افروز ہوں جب آپ ﷺ بنو بیاضہ کے محلے سے گزر رہے تھے تو ان کے سرداروں نے آپ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لایئے اور ہمارے قبیلے کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، ہمارے پاس جنگی ساز و سامان بھی بے تحاشہ ہے اور ہم آپ ﷺ کے دفاع کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم الہی مل چکا ہے۔ یہ حکم الہی کے مطابق بیٹھے گی۔ آپ ﷺ کی سواری چلتی ہوئی قبیلہ بنو ساعدہ کے محلے میں پہنچی تو اس قبیلہ کے سرداروں نے بھی آپ ﷺ سے یہی عرض کی اور آپ ﷺ نے انہیں بھی یہی جواب دیا۔ پھر بنو عدی کے سرداروں نے بھی آپ ﷺ سے یہی عرض کی اور آپ ﷺ نے انہیں بھی یہی جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ کی اونٹنی چلتے چلتے بنی مالک بن عوف کے محلہ میں پہنچی اور ایک کھلے میدان میں بیٹھ گئی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ جب اونٹنی بیٹھی تو رسول کریم ﷺ اونٹنی سے نیچے نہیں اترے تاکہ کوئی اسے محض اتفاق نہ سمجھ لے تھوڑی دیر بعد اونٹنی پھر کھڑی ہوگئی اور اگے چل پڑی رسول کریم ﷺ نے اس کی مہار اس کی گردن پر ڈال دی۔ اونٹنی تھوڑا سا چلی اور پھر آکر اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ علامہ ابن اسحاق کہتے ہیں:

> فلما بركت و رسول الله لم ينزل و ثبت فسارت غير بعيد و رسول الله ﷺواضع لها ز مامهالا يثنيهابه ثم التفتت الى خلفها فرجعت الى مبركها اول مرة فبركت فيها تحلحلت ورزمت والقت بجرانها فنزل عنها رسول الله ﷺ[3]

> جب آپ ﷺ کی اونٹنی اس میدان میں بیٹھ گئی تو رسول اللہ ﷺ تب بھی نیچے نہیں اترے اور اونٹنی پر ہی تشریف فرما رہے۔ تھوڑی دیر بعد اونٹنی پھر اٹھی اور آگے چل پڑی۔ حضور ﷺ نے اس کی مہار اس کی گردن پر ڈالی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ اسے کسی طرف موڑتے نہیں تھے۔ تھوڑی دیر بعد اونٹنی پھر واپس مڑی اور پہلے جہاں بیٹھی تھی وہیں آکر دوبارہ بیٹھ گئی۔ پھر اس نے جھر جھری لی اور تھک کر زمین پر بیٹھ گئی اور اپنی گردن زمین پر ڈال دی تو رسول کریم ﷺ اونٹنی سے نیچے تشریف لے آئے۔

سیرت نبوی ﷺ کا یہ واقعہ بھی بہت سی حقیقتوں کو بیان کر رہا ہے اس وقت جب تمام قبائل بڑی محبت اور اخلاص سے آپ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے تھے اور اپنی وفاداریوں کا یقین دلا رہے تھے۔ اس وقت اگر آپ ﷺ کسی ایک قبیلے کے ہاں تشریف لے جاتے تو دوسرے قبیلوں کے لوگ سوچتے کہ نہ جانے ہم میں کیا کمی تھی کہ رسول کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف نہیں لائے۔ اس طرح

امکان تھا کہ وہ ایک احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے اور قبائلی چپقلش کے تناظر میں کچھ دیگر امکانات کا انکار بھی ممکن نہیں۔ تو رسول کریم ﷺ نے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے کوئی قبیلہ یہ سوچے کہ ان کی عزت نفس مجروح ہوئی یا ان کے وقار کو ٹھیس پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک ایسا حکیمانہ طریقہ اختیار کیا جس سے سب کی عزت نفس بحال رہی اور کسی کا وقار بھی مجروح نہیں ہوا اور فرمایا میری اونٹنی جہاں بیٹھ گئی میں وہیں چلا جاؤں گا۔ اب اونٹنی جس جگہ بیٹھے اس پر بھلا کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ سیرت میں اصل سبق ہر حال میں موجود ہے کہ ایسے نازک اور حساس مواقع پر اپنی برتر حیثیت کے سبب کسی کے جذبات کو دبانا نہیں چاہیے اس کے نتائج بہت سے خطرناک مسائل کا سبب بن سکتے ہیں بلکہ ایسا دانشمندانہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے سب کی عزت نفس بحال رہے اور کسی کا بھی وقار مجروح نہ ہو۔

رسول کریم ﷺ کی سیرت مقدسہ میں متعدد زاویوں سے اس کی تلقین کی گئی ہے اسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کو شرف مصاحبت بخشنے کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں:

كان رسول الله ﷺاذا اراد ان يخرج سفرا ا قرع بين ازواجه فا يتهن خرج سهمها خرج بها معه[4]

"جب بھی رسول اللہ ﷺ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپ اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ پس جس کے نام پورا نکلتا اپ اسے ہی شرف مصاحبت بخشتے"

یہ بھی دراصل آپ ﷺ کے حکیمانہ انداز کا ایک مظہر تھا کیونکہ اگر قرع اندازی کے بغیر ویسے ہی اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو شرف معیت بخشتے تو باقیوں کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ نہ جانے ہمیں یہ شرف کیوں نہیں بخشا گیا اور ان کے وقار کو ٹھیس پہنچنے کا امکان تھا۔ اس لیے رسول کریم ﷺ ایسا طریقہ اختیار فرماتے تھے جس سے سب کا وقار محفوظ رہے اور کسی کی بھی عزت نفس مجروح نہ ہو۔

ہمارے مسائل کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم کوئی تصفیہ کرتے وقت ایسا انداز اختیار کر لیتے ہیں جس سے کچھ لوگوں کا وقار مجروح ہو جاتا ہے جو بعد میں مسائل کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حکمت نبوی ﷺ کا سبق ہے کہ ایسے نازک اور حساس مواقع پر ایسا حکیمانہ انداز اختیار کیا جائے کہ جس سے مقصود بھی حاصل ہو جائے اور کسی کے جذبات کو ٹھیس بھی نہ پہنچے اور سب کا وقار اور عزت نفس محفوظ رہے۔ یہ حکیمانہ طرز زندگی خاص عطیہ خداوندی ہے۔

کہاوت ہے کہ کسی بادشاہ نے کوئی خواب دیکھا کسی معبر کو بلا کر اس کی تعبیر پوچھی۔ معبر نے خواب سن کر کہا بادشاہ سلامت! آپ کے سب رشتہ دار آپ کے سامنے مر جائیں گے۔ بادشاہ کو بڑا غصہ آیا اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ پھر ایک اور معبر کو بلایا گیا اس نے بھی یہی تعبیر بتائی وہ بھی اسی انجام کو پہنچا۔ پھر ایک اور معبر آ جو علمِ تعبیر کے ساتھ ساتھ حکمت و دانش کا بھی مالک تھا۔ اس نے خواب سن کر کہا بادشاہ سلامت آپ کو اللہ تعالی تمام رشتہ داروں سے لمبی زندگی دے گا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا اور اس معبر کو انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ بات وہی تھی لیکن حکمت سے کی گئی تھی۔ سیرت نبوی ﷺ کا درس بھی یہی ہے کہ معاملات اس طرح نمٹائے جائیں کہ ہر بندہ یہ سمجھے کہ میرا وقار محفوظ ہے ورنہ زندگی بہت سے مسائل میں گھر جائے گی۔

2. معاملات میں انسانی مزاج کو ملحوظ خاطر رکھنا

ہر انسان اپنی ساخت اور ایک مخصوص شاکلہ میں جیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا [5]

NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur
Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

"آپ فرمائیے کہ ہر شخص اپنی ساخت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کون زیادہ صحیح راستے پر ہے"

ہر انسان اپنی ساخت کے مطابق معاملات زندگی سرانجام دیتا ہے۔ تعلیم و تربیت ان میں کچھ اعتدال تو لے آتی ہے لیکن مکمل طور پر انہیں بدل دینا تقریباً ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔ اس لیے بہت ہی صالح اور نیک لوگ بھی، نہ سب سخاوت میں یکساں ہوتے ہیں نہ بہادری میں اور نہ ہی دیگر اوصاف حمیدہ میں۔ یہ بات بالکل مشاہداتی ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔

اب اگر کوئی انسان ہر انسان سے یکساں امید رکھے تو اسے یکساں نتائج تو کبھی بھی نہیں ملیں گے۔ البتہ اس کی یہ سوچ اس کے لیے بہت سے مسائل اور بہت سی پریشانیوں کا باعث ضرور بنے گی۔

اس مسئلہ کے حل کے لیے سیرت نبوی ﷺ کی رہنمائی یہ ہے کہ انسان حقیقت کا ادراک کرے۔ ہر شخص کے مزاج کو سمجھے اور اس کے مطابق اس سے معاملہ کرے۔ رسول کریم ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ ہر شخص سے اس کے مزاج کے مطابق معاملہ فرماتے اور اسی طریقے سے اس پر حق واضح فرماتے۔ آپ ﷺ کی اس حکیمانہ طرز فکر سے وہ شخص آپ ﷺ کی دعوت پر فدا ہو جاتا۔ یہ بات ناقابل فراموش ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی بھی طرز عمل حق سے انحراف نہیں کرتا تھا لیکن آپ لوگوں سے معاملات فرماتے ہوئے ان کی ساخت اور اس کی سوچ کو ملحوظ خاطر ضرور رکھتے تھے۔ آپ کا سرداروں سے رویہ ان کی سوچ کے مطابق تھا، اہل علم سے ان کی سوچ کے مطابق، عام لوگوں سے ان کی دانست کے مطابق اور ماہر لوگوں سے ان کی سوچ کے مطابق۔

آپ ﷺ کا بدوؤں اور مہذب لوگوں سے معاملہ برابر نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کی وضاحت کے لیے سیرت طیبہ سے یہ شواہد ملاحظہ ہوں: حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں کچھ لوگوں کو ترجیح دی۔ اقرع بن حابس کو 100 اونٹ عطا فرمائے۔ عیینہ کو بھی اسی قدر مال عطا فرمایا اور مال تقسیم کرتے ہوئے انہیں ترجیح دی۔ آپ ﷺ نے مال کی تقسیم میں کچھ اور لوگوں کو بھی ترجیح دی۔ یہ دیکھتے ہوئے ایک آدمی کہنے لگا کہ یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا، رضائے خداوندی کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ بخدا! میں یہ بات حضور اکرم ﷺ کو ضرور بتاؤں گا تو میں نے یہ بات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں عرض کر دی۔ یہ بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

فمن يعدل ان لم يعدل الله و رسوله رحم الله موسیٰ قد اوذی با كثر من هذا فصبر[6]

"جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کریں گے تو کون عدل کرے گا؟۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا"

اسی موقع پر حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد رسول کریم ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے تو کچھ اعرابی آپ ﷺ کو لپٹ گئے۔ وہ بھی مال غنیمت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ آپ ﷺ کو عالمِ اضطرار میں ایک ببول کے درخت کی طرف لے گئے آپ ﷺ نے فرمایا:

لو كان عدد هذه العضاة لقسمتة بينكم ثم لا تجدونی بخيلا ولا كذوبا ولا جبانا[7]

"اگر میرے پاس اس جنگل میں پائے جانے والے ببول کے درختوں جتنے مویشی بھی ہوتے تو وہ سب تم میں تقسیم کر دیتا پھر تم مجھے نہ بخیل پاتے نہ دروغ گو اور نہ ہی بزدل۔"

ان دونوں واقعات سے واضح ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان لوگوں کے اس نازیبا اور ناروا رویے کے باوجود انہیں کچھ نہیں کہا کیونکہ یہ لوگ بدوت۔ آدابِ تہذیب سے واقف نہیں تھے تو آپ ﷺ کا ان سے معاملہ ان کے حسب حال تھا۔

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

اس کے برعکس سیرت نبوی ﷺ کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو، جیسا کہ حضرت ابو داؤد رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے سلام عرض کیا اور پھر عرض کرنے لگے کہ میرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو گیا۔ میں اس پر نادم ہوا اور میں نے بلا کسی تاخیر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مجھے معاف کر دیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا تو اسی پریشانی میں میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ بات سن کر رسول کریم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا اے ابو بکر اللہ تعالی آپ کو معاف فرمائے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی اپنے اس رویے پر ندامت ہوئی۔ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو تلاش کرتے ہوئے ان کے گھر تشریف لے گئے تو اہل خانہ نے بتایا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو تلاش کرتے ہوئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھتے ہی حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر جلال کے اثار ظاہر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ غلطی میری ہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابو بکر صدقت وواسانی بنفسه وماله فهل انتم تارکون لی صاحبی مرة او ثلاثا فما اوذی بعدها[8]

"کہ مجھے اللہ تعالی نے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے کہا کہ تم نے جھوٹ بولا اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ میری غمگساری کی پھر آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ کیا تم میری وجہ سے میرے دوست کی باتوں سے درگزر نہیں کرتے؟ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو کبھی اذیت نہیں دی گئی"

قابل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے دونوں واقعات میں ان لوگوں کی انتہائی ناروا اور نازیبا حرکتوں کے باوجود ان لوگوں پر کسی سے ناراضی اور غضب کا اظہار نہیں فرمایا حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی وضاحت کے مطابق زیادتی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے ہی ہوئی تھی لیکن حضور ﷺ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے صرف اس لیے ناراض ہوئے کہ انہوں نے نسبتوں کے حساس اور نازک تعلق کا احساس نہیں کیا تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بدوؤں کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ تہذیب و تمدن سے آشنا انسان تھے اور صحبت نبوی کے فیض یافتہ تھے۔ سیرت نبوی ﷺ کے ان پہلوؤں سے واضح ہے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں سے معاملات کرتے ہوئے ان کے مزاج اور ساخت کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ اگر حکمت نبوی کے اس پہلو کو فراموش کر دیا جائے تو انسان کیلئے بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ کے یہ مناظر بھی اسی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اپنے گھر کا سارا سامان لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے تو رسول کریم ﷺ نے ان کے اس عمل کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ ان کی بہت زیادہ تحسین فرمائی۔ اس کے برعکس سیرت نبوی ﷺ کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں کہ ہم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ!

اصبت هذه من معدن فخزها فهی صدقة ما املک غیرها فاعرض عنه رسول الله ﷺ ثم اتاه من قبل رکنه الایمن فقال مثل ذالک فاعرض عنه فقال رسول الله ﷺ یاتی احدکم بما یملک فیقول هذه صدقة ثم یقعد یستکف الناس خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی[9]

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

"یارسول اللہ ﷺ مجھے یہ سونا ایک کان سے ملا ہے اسے بطور صدقہ قبول فرمائیے۔ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے چہرہ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ شخص دائیں جانب سے آیا اور یہی عرض کرنے لگا رسول کریم ﷺ نے پھر اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا سارا مال لے کر آجاتا ہے اور پھر کہتا ہے اسے صدقہ کر دیجئے پھر بیٹھ کر لوگوں کو دیکھتا رہتا ہے کہ وہ اس کی مدد کریں۔ بہترین صدقہ تو وہ ہے جو حسب ضرورت بچا کر کیا جائے"

ان دونوں واقعات میں سب سے بڑھ کر قابل غور بات یہ ہے کہ ان واقعات میں رسول کریم ﷺ کا رویہ مختلف کیوں تھا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اپنے گھر کا سارا سامان لے کر آئے آپ ﷺ نے نہ صرف اسے قبول فرمایا بلکہ ان کی تحسین بھی فرمائی لیکن یہ دوسرا شخص اپنے گھر کا سارا سامان لے کر نہیں آیا تھا لیکن کہہ یہی رہا تھا کہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ تو رسول کریم ﷺ نے اسکا صدقہ ﷺ قبول نہیں فرمایا بلکہ خفگی کا بھی اظہار فرمایا کہ پہلے سارا کچھ صدقہ کر دیتے ہو اور پھر لوگوں کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہو۔ لہذا بہترین صدقہ تو وہ ہوتا ہے جو اپنی ضرورت بچا کر کیا جائے۔

اس سے ہمیں حکمت نبوی ﷺ کا یہ پہلو سمجھ آتا ہے کہ آپ ﷺ کا معاملہ سب لوگوں سے ایک ہی فکر پر مبنی نہیں ہوتا تھا بلکہ انسانوں سے ان کی دانست اور صلاحیت کے مطابق معاملہ فرماتے تھے۔ اگر اس بندے کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ والا معاملہ کیا جاتا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس بندے والا معاملہ کیا جاتا تو سیرت نبوی کا درس یہ ہے کہ یہ چیز خلاف حکمت ہوتی اور اس کے نتائج مسائل کو جنم دیتے۔

آپ ﷺ کے مختلف طرز عمل کی صداقت پر ایک داخلی شہادت یہ بھی ہے اس شخص کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ یہ صدقہ کر کے بعد میں پچھتائے گا۔ اس کی دل کو اتنا استحکام حاصل نہیں تھا کہ وہ یہ صدقہ کرنے کے بعد ایک اطمینان پائے کہ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں نے اپنا سارا اثاثہ اس کی راہ میں خرچ کر دیا اس لیے وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ چونکہ سب کچھ لٹا کر مطمئن ہونے والا ایمانی استحکام ابھی اسے حاصل نہیں تھا اس لیے نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا بلکہ اس کے اس عمل پر ایک خفگی کا بھی اظہار فرمایا۔ اور اس کے برعکس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ اپنے گھر کا سارا سامان اٹھا لائے لیکن انہوں نے خود بخود یہ نہیں کہا کہ میں اپنے گھر کا سارا سامان اٹھا لایا ہوں۔ جب رسول کریم ﷺ نے پوچھا کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کے آئے ہو تو آپ نے عرض کی:

ابقیت لهم الله و رسوله[10]

"میں اپنے گھر والوں کے لیے اللہ تعالی اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں"

اس ایمان افروز جملے پر جتنا غور کیا جائے کم ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ میرے گھر میں اللہ اور اس کا رسول جلوہ فرما ہیں اس کے گھر میں سب کچھ ہوتا ہے۔ صدیق اکبر کے اسی ایمانی استحکام اور ثبات قلبی کے سبب ان سے مختلف معاملہ کیا گیا۔ اسی مختلف طرز عمل سے حکمت نبوی کا یہ پہلو پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ معاملات حیات سرانجام دیتے ہوئے سب لوگوں سے ایک ہی طرح کا معاملہ نہ کیا جائے بلکہ لوگوں کی سوچ اور ساخت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان سے مختلف نوعیت کا معاملہ کیا جائے۔ جو شخص اس حکمت کو چھوڑے گا وہ اپنے لیے بہت سے مشکلات اور متعدد مسائل پیدا کر لے گا۔ رسول کریم ﷺ ہر موقع پر اس حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھا کرتے تھے کہ حق کی مکمل پیروی کرتے ہوئے ہر انسان کی صلاحیت اور اس کی نفسیات کا مکمل خیال رکھا جائے۔ سیرت نبوی ﷺ کے اسی پہلو کا ایک مظہر ہمیں یہ بھی

نظر آتا ہے کہ جب آپ فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالی عنہ کی سرداری کی سوچ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے گھر کو دارالامان قرار دیا تھا۔

فقال له العباس : يا رسول الله ﷺ!ان ابا سفيان رجل يحب هذا لفخر فلو جعلت له شيئا قال نعم من دخل دار ابى سفيان فهوا من الخ[11]

"حضرت عباس نے رسول کریم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ !بے شک ابو سفیان ایک ایسے آدمی ہیں جو امتیازی حیثیت کو پسند کرتے ہیں تو بہتر ہو تا اگر آپ ﷺ انہیں کوئی امتیازی حیثیت دے دیتے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گا اسے بھی امن دیا جائے گا یعنی وہ بھی امان پالے گا۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کا درس یہ ہے کہ حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ پہلے خواہ مخواہ مسائل پیدا کیے جائیں اور پھر اپنی صلاحیتیں انہیں حل کرنے میں صرف کی جائیں بلکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ حق کی پیروی تو مکمل ہو لیکن راستہ ایسا اختیار کیا جائے جس سے مسائل کم سے کم پیدا ہوں۔ ہر آدمی سے اس کی نفسیات کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے تو یہ بھی واضح فرمایا کہ لوگوں سے معاملات کرتے وقت ان کی سوچ اور صلاحیتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا سنت خداوندی بھی ہے۔ اس حقیقت کو آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر واضح فرمایا ارشاد فرمایا

الناس يعلمون بالخير و انما يعطون اجورهم على قدر عقولهم[12]

"کہ لوگ بھلائی کا کام کرتے ہیں لیکن انہیں اجر ان کی عقلوں کے مطابق دیا جاتا ہے"

مراد یہ ہے کہ اگر کسی کی عقل ناقص ہے وہ اپنی دانست کے مطابق کوئی اچھا کام کرتا ہے اگرچہ کامل عقل کی روشنی میں وہ کام خیر کا نہ بھی ہو لیکن اللہ تعالی اس کے کرنے کو پھر بھی خیر کا ہی اجر عطا فرماتا ہے کیونکہ اس نے اپنی دانست کے مطابق تو خیر کا کام ہی کیا تھا۔

ایک حدیث مبارکہ میں اس کی وضاحت ملتی ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

ایک شخص نے اپنے عبادت خانے میں عبادت کی، بارش برسی اور زمین پر سبزہ اگ آیا وہ ادمی اپنے عبادت خانے سے نکل کر اپنا گدھا چرانے لگا اور کہنے لگا:

يارب لو كان لک حمار رعيته مع حمارى فبلظ نبيا من الانبياء فهم ان يدعو عليه فاوحى الله اليه انما يجزى العباد على قدر عقولهم[13]

ائے میرے رب! اگر آپ کا بھی کوئی گدھا ہو تا تو میں اسے اپنے گدھے کے ساتھ چراتا تو اس کی یہ بات اس زمانے کے انبیاء میں سے کسی نبی تک پہنچی تو انہوں نے چاہا کہ وہ اس کی سرزنش کریں تو اللہ تعالی نے اپنے اس نبی کی طرف وحی بھیجی کہ بندوں کو بدلہ ان کی عقلوں کے مطابق دیا جاتا ہے"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حکمت نبوی ﷺ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بندوں سے معاملات کرتے ہوئے ان کی صلاحیت اور ان کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے ورنہ زندگی میں بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔

3. کام کو اس کے وقت پر کرنا

انسان اپنے لیے بہت سے مسائل اس وقت پیدا کر لیتا ہے جب وہ کسی کام کو اس کے وقت پر نہیں کرتا۔ اگر سستی کرتے ہوئے کسی کام کو اس کے وقت سے لیٹ کر دیا جائے تب بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اگر کسی کام کو وقت سے پہلے کرنے کا منصوبہ بنایا جائے تب بھی

انسان ناکام ٹھہرتا ہے اور اپنے لیے بہت سے مسائل پیدا کر لیتا ہے۔ جب کہ حکمت نبوی ﷺ کا درس یہ ہے کہ ہر کام کے کرنے کا جو فطرتی وقت ہے اسے سمجھا جائے کسی بھی کام کے کرنے میں نہ سستی کی جائے اور نہ ہی عجلت۔ اسی حکمت کو اپنانے سے انسان مسائل حیات سے عہدہ برا ہو سکتا ہے ورنہ اس کی زندگی مسائل کی خاردار وادیوں میں الجھ کر رہ جائے گی۔ جب اللہ تعالی قادر مطلق ہونے کے باوجود ہر کام کو اپنے وقت پر کرتا ہے تو بندے اس سنت الٰہی سے انحراف کر کے کس طرح کامیابی پا سکتے ہیں۔ اللہ تعالی قادر مطلق ہونے کے باوجود ہر کام کو اس کے وقت پر ہی کرتا ہے فصلیں اپنے وقت پر تیار ہوتی ہیں رات اور دن اپنے اپنے اوقات پر آتے ہیں۔ اللہ تعالی نے بندوں کو احکام دیتے ہوئے بھی وقت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ مکی زندگی میں اس وقت کے مطابق احکامات دیے اور مدنی زندگی میں اس وقت کے مطابق۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں:

انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنا حتى اذا تاب الناس الى الاسلام نزل الحلال و الحرام ولو نزل اول شيئ لا تشربا الخمر لقالو لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنو لقالوا لا ندع الزنا ابدا-----------[14]

"سب سے پہلے قران مجید کی مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ کا ذکر تھا پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو پھر حلال و حرام کے احکامات نازل ہوئے سب سے پہلے یہ حکم نازل ہو جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم شراب پینا ہرگز نہیں چھوڑیں گے اسی طرح اگر ابتدا میں ہی یہ حکم نازل ہو جاتا کہ بدکاری نہ کرو تو لوگ کہتے ہم تو بدکاری نہیں چھوڑیں گے "

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی خالق و مالک اور قادر مطلق ہونے کے باوجود مناسب وقت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ حکمت نبوی اسی سنت الٰہی کا مظہر اتم ہے۔ رسول کریم ﷺ ہر کام کو اس کے وقت پر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کسی کام کو اس کے وقت سے لیٹ کرتے تھے اور نہ ہی جذبات کے تحت کسی کام کو اس کے وقت سے پہلے۔ آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ اسی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

جب دو ہجری میں رسول کریم ﷺ اپنے 313 صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے ساتھ ابو سفیان کے قافلہ کے تعاقب میں نکلے کیونکہ یہ قافلہ مشرکین کی جنگی مہم کا ایک حصہ تھا۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے اسی قافلے کے تعاقب میں نکلے تھے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ابو جہل ایک ہزار کافروں پر مشتمل ایک مسلح لشکر لے کر آ رہا ہے۔ اب یہ موقع تھا کہ جب مسلمانوں کے سامنے دو قافلے تھے۔ ایک ابو سفیان کا تجارتی قافلہ اور دوسرا ابو جہل کا لشکر جو ایک ہزار مشرکین پر مشتمل تھا۔ جس میں مکہ کے بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ اگر اس لشکر پر غلبہ پا لیا جائے تو کفر کی کمر ٹوٹنا ایک واضح بات تھی۔ اس موقع پر مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں تھیں یا تجارتی قافلے کا تعاقب کیا جائے جس سے کفار کو معاشی نقصان پہنچتا یا ابو جہل کے لشکر کو شکست دی جاتی اور کفر کی کمر توڑ دی جاتی۔ اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو شاید ان نتائج کے حصول میں کتنا عرصہ بیت جاتا اور مسلمانوں کو کتنا نقصان اٹھانا پڑتا۔

رسول کریم ﷺ سے بڑھ کر وقت کی مناسبت کو بھلا کون سمجھ سکتا تھا۔ آپ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ابو سفیان کے تجارتی قافلے کی بجائے اس لشکر کو عبرتناک شکست دی جائے تاکہ کفر کی کمر ٹوٹ جائے۔ اگرچہ مسلمان مدینہ منورہ سے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ ابو سفیان کے تجارتی قافلے کے تعاقب کے لیے نکلے تھے لیکن حکمت رسالت ماب ﷺ نے وقت کی مناسبت کو سمجھتے ہوئے لشکر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور حکمت نبوی کا یہ پہلو بھی واضح رہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ فیصلہ سنا نہیں دیا بلکہ ان کی مشاورت کے بعد اس کا حتمی فیصلہ کیا۔ کیونکہ اگر کسی کو کسی فیصلہ میں اعتماد میں نہ لیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ بے دلی کے ساتھ کسی

کا ساتھ دے۔ تو رسول کریم ﷺ نے اس حکیمانہ اسلوب پر وہی فیصلہ کیا جو وقت کا تقاضا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کی یہی فتح آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔ اگرچہ ظاہری اور مادی اسباب اس فیصلے کے متحمل نہیں تھے لیکن رسول کریم ﷺ کے اس حکمت بھرے فیصلے اور اس کے نتائج نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ کوئی بھی قائد اگر اپنے لشکر میں ایک زندہ روح پھونک دے اور پھر وہ وقت کی مناسبت اور تقاضوں کو سمجھ کر ایک فیصلہ کرے تو نصرت الٰہی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور فتح و نصرت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

آپ ﷺ جذبات میں آکر کوئی کام اس کے وقت سے پہلے نہیں کرتے تھے اس کی ایک مثال صلح حدیبیہ ہے۔ چھ ہجری میں رسول کریم ﷺ اپنے 1400 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے گئے۔ قریش مکہ مذاہم ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا سفارت کاری کے ایک طویل عمل کے بعد اہل اسلام اور مشرکین مکہ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے یہ طے پایا کہ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں اور اگلے سال آکر عمرہ کریں گے اگر کوئی مشرک مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ اگر کوئی مسلمان اسلام چھوڑ کر مکہ جائے گا تو مکہ والے اسے واپس نہیں کریں گے اور اس میں یہ بھی طے پایا کہ مشرکین اور مسلمانوں میں 10 سال تک جنگ نہیں ہو گی اور جو قبیلہ جس کے ساتھ ملنا چاہے مل سکتا ہے وغیرہ ہم۔ یہ معاہدہ طے کرنے کے بعد رسول کریم ﷺ عمرہ کیے بغیر واپس تشریف لے گئے۔ یہ معاہدہ حکمت نبوی کا شاہکار ہے اور کسی بھی کام کے لیے اس کے مناسب وقت کا انتظار کرنے کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلمان بغیر جنگی ساز و سامان کے احرام باندھے مشرکین کے مرکز تک جا پہنچے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے یہ معاہدہ کر کے اس حقیقت کو آخری حد تک ثابت کر دیا کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ حالات کو سمجھیں اور کسی بھی کام کے لیے اس کے مناسب وقت کا انتظار کرے۔ آپ ﷺ نے نور بصیرت سے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ اس وقت جذباتی کیفیت میں لڑائی جھگڑا کرنا اور عمرہ کر کے جانے پر ڈٹ جانا اچھے نتائج نہیں دکھا سکتا کیونکہ ہم مشرکین کے مرکز میں ہیں اور بغیر جنگی سامان کے احرام باندھے ہوئے ہیں اس لیے حالات کا رخ یہ بتاتا ہے کہ ان حالات میں عمرہ کرنے کا مناسب وقت یہ سال نہیں بلکہ اگلا سال ہے کیونکہ کفار جنگ کے لیے تیار ہو چکے ہیں اور جنگ سے پیچھے ہٹنے کیلئے کسی صورت راضی نہیں ہو رہے۔

رسول انقلاب ﷺ کی اس حکمت کا نتیجہ بہت ہی مثبت نکلا مسلمانوں نے اگلے سال عمرہ بھی کیا اور 10 سال تک جنگ نہ کرنے کی شرط کے تحت مسلمان جنگی کشمکش سے پر امن ہو گئے۔ اس دوران رسول کریم ﷺ نے سلاطین عالم کو خطوط لکھ کر اسلامی دعوت کو عالمی سطح تک پھیلا دیا اور جب مشرکین نے اس معاہدے کو توڑا تو صرف دو سال بعد مسلمان مشرکین کو مغلوب کرنے اور بیت اللہ کو مشرکین سے آزاد کروانے کے لیے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مشرکین میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی میدان میں آتے۔ کسی باقاعدہ جنگ کے بغیر ہی انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور مسلمان فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

سیرت نبوی ﷺ کا یہ پہلو اس حقیقت کو مکمل طور پر واضح کر رہا ہے کہ جذبات میں آکر یا کسی بھی اور سبب سے کسی کام کو اس کے وقت سے پہلے کرنے کا تقاضا کرنا خلاف حکمت ہے ایسی سوچ کا حامل انسان صرف اپنے لیے ہی نہیں دوسروں کے لیے بھی بہت سے مسائل پیدا کرتا ہے اور کسی کام کو اس کے مناسب وقت پر ہونے کی بصیرت اور حوصلہ رکھنا زندگی کے بہت سے مسائل کا حل ہے۔

حکمت نبوی سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ انسان کی اصلاح اور اس کے سنورنے کے لیے ایک مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ بچوں سے ایک 50 سال کے سنجیدہ انسان جیسے اعمال کی توقع رکھنا اور 50 سال کے انسان سے بچوں والی سوچ کی امید رکھنا ایک کار عبث ہے۔ کسی کی اصلاح کرنے میں بھی اس اصول کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ اس کے کامل اصلاح پذیری اور مکمل سنورنے کے لیے بھی

ایک مناسب وقت کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ پہلے دن ہی سالوں بعد والی امید باندھ لینا ایک خلاف حکمت سوچ ہے اور اس سوچ کا حامل انسان اپنے لیے بہت سے مسائل پیدا کر لیتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بنو ثقیف کے متعلق پوچھا کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی بیعت کرتے ہوئے یہ شرط لگائی تھی کہ

لا صدقه عليها ولا جهاد وانه سمع النبی ﷺ بعد ذالک يقول سيتصدقون ويجاهدون اذا اسلموا[15]

"ان پر نہ صدقہ لازم ہو گا اور نہ جہاد۔ حضرت جابر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی شرط ماننے کے بعد اس نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو وہ صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے"

اس حدیث مبارکہ سے قطعا ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے انہیں فرض چیزوں سے چھوٹ دے دی تھی بلکہ اس حکمت بھرے انداز سے یہ بات واضح فرمائی کہ ان کی مکمل اصلاح کے لیے ایک مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس حدیث کی شرح میں امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں جہاد اور صدقہ چھوڑنے کی اجازت دے دی تھی جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا کیونکہ

لا نهما لم يكونا واجبين فی العاجل لان الصدقة انما تجب بالقضاء للحول والجهاد انما يجب بحضور العدو فا لصلوة فهی راتبة كل يوم وليلة فلم يجزان يشترطوا تركها[16]

"کیونکہ یہ دونوں چیزیں فوری طور پر واجب نہیں تھی کیونکہ صدقہ سال گزرنے کے بعد واجب ہوتا ہے اور جہاد اس وقت واجب ہوتا ہے جب دشمن حملہ کر دے لیکن نماز تو دن اور رات میں فرض ہوتی ہے اس لیے انہوں نے اسے ترک کرنے کی شرط نہیں لگائی۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرائض کو ساکت نہیں فرمایا تھا لیکن آپ ﷺ نے ایسا حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جس سے وہ اسلام کی طرف مائل بھی ہو گئے اور ان کی ایسی تربیت کے امکانات بھی پیدا ہو گئے کہ جس کے بعد وہ صدقہ بھی دینے لگے اور جہاد بھی کرنے لگے۔

رسول کریم ﷺ نے اس حکیمانہ اسلوب سے واضح فرما دیا کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے انسان کو چاہیے کہ ہر کام میں اس کے مناسب وقت کو سمجھے اور اس کا انتظار کرے لیکن کسی بھی حال میں حق کو ترک نہیں کیا جائے گا اور دین کے مسلمات کو نہیں چھیڑا جائے گا۔

رسول کریم ﷺ ہر کام میں اس کے مناسب وقت کا انتظار فرماتے تھے آپ ﷺ لوگوں کے کہنے کے باوجود بھی کسی کام کو اس کے وقت سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ مکی زندگی میں ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا تھا اس لیے باوجود کافروں کے تشدد کے اہل ایمان کو جنگ کرنے سے روکا گیا تھا۔ قران کریم کی یہ آیت اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا [17]

"کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنہیں کہا گیا تھا کہ (ابھی جنگ سے) ہاتھ روکے رکھو اور (ابھی صرف) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے کچھ لوگ، لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ یا اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! "تو نے ہم پر جنگ کیوں

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

فرض کر دی، ہمیں مزید کچھ عرصہ کے لیے کیوں مہلت نہ دی؟" آپ ان سے کہئے کہ: دنیا کا آرام تو چند روزہ ہے اور ایک پرہیز گار کے لیے آخرت ہی بہتر ہے" اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا"

یہ صبر آزما لمحات تھے جب مشرکین کے تشدد سے تنگ آکر اہل ایمان کے صبر کے پیمانے لبریز ہو رہے تھے اور وہ حضور اکرم ﷺ سے جنگ کی اجازت طلب کرتے تھے باوجود مشرکین کے متشددانہ رویوں کے رسول کریم ﷺ انہیں یہی فرماتے تھے کہ اس تمام صورتحال کے باوجود ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے:

یا رسول الله علی ما نخفی دیننا و نحن علی الحق ویظهر دینهم وهم علی الباطل و قال یا عمر انا قلیل[18]

"یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے دین کو کیوں مخفی رکھیں جبکہ ہم حق پر ہیں اور وہ اپنا دین ظاہر کرتے ہیں جب کہ وہ باطل پر ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر ہم تھوڑے ہیں"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جذبات میں اکر وقت سے پہلے کوئی کام کرنے کی کوشش کرنا خلاف حکمت ہے۔ حکمت نبوی کا درس یہ ہے کہ نصرت الہی کے پورے یقین کے باوجود زمینی حقیقتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور کسی بھی کام کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کرنا چاہیے اور کسی بھی کام کے لیے اس کے مناسب وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اس میں جتنا بڑا خطرہ بھی مول لینا پڑے۔

4. لوگوں کی انا کے بجائے ضمیر کو جگانا

کسی بھی انسان میں ایک اس کی انا ہوتی ہے اور ایک اس کا ضمیر، ضد سے جاگتی ہے اور ضمیر اخلاص سے۔ اگر کسی بھی انسان سے یہ رویہ اختیار کیا جائے کہ اس کی انا جاگ پڑے تو اس سے معاملات مزید الجھ جاتے ہیں اور لوگوں کی انا جگانے اور اس کی پرواہ نہ کرنے کی سوچ کبھی نہ کبھی انسان کے لیے مسائل ضرور پیدا کرتی ہے اور دوسری چیز ہر انسان کا ضمیر ہے۔ اگر ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ انسان کا ضمیر جاگ پڑے تو اس انسان کی ساری ہمدردیاں اور جملہ صلاحیتیں اس انسان کے حق میں صرف ہوتی ہیں جس نے اس کا ضمیر جگایا ہو۔ عموما انسان طاقت اور اختیار کے نشے میں مخمور ہو کر ایسا رویہ اختیار کر لیتا ہے جس سے وہ لوگوں کی انا کو بیدار کر دیتا ہے ایسا رویہ حکمت سے دور اور ایک احساس برتری پر مبنی ہوتا ہے اور زندگی میں بہت سی الجھنیں اور مسائل پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جس سے لوگوں کی انا جاگے بلکہ ہمیشہ ایسا رویہ اختیار کیا جس سے لوگوں کا ضمیر جاگے۔ کسی کو لاجواب کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اسے مطمئن کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کسی کو دبانا آسان ہے لیکن اسے قائل کرنا ایک امر دشوار ہے حکمت نبوی ﷺ کا تقاضہ یہ ہے کہ لوگوں کو لاجواب کرنے کو مقصود نہ بنایا جائے بلکہ انہیں قائل کرنے کی روش اپنائی جائے تاکہ لوگوں کا ضمیر جاگے اور ان کی صلاحیتیں خدمت دین کے لیے وقف ہو جائیں۔

رسول کریم ﷺ کی پوری حیات مبارکہ اسی حکمت کا مظہر ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ لوگوں کا ضمیر جگاتے تھے ان کی انا نہیں۔

أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَائَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدَکَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتُرِكَ حَتَّى كَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهُ مَا عِنْدَکَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ مَا قُلْتُ لَکَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ فَتَرَكَهُ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَکَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَکَ فَقَالَ أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلَى نَجْلٍ قَرِيبٍ مِنْ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِي وَأَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرَى فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ صَبَوْتَ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللَّهِ لَا يَأْتِيكُمْ مِنْ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[19]

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے ایک شخص کو پکڑ کر لائے جو قوم بنی حنیفہ میں سے تھا جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے یعنی تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ وہ کہنے لگا: اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم! میرا خیال بہت بہتر ہے. مجھے مار ڈالیں گے تو اس میں کوئی برائی نہیں کیونکہ میں نے بھی جنگ میں مسلمانوں کو مارا ہے اور اگر آپ ﷺ مجھے احسان کر کے چھوڑ دیں گے تو میں شکر گزار ہوں گا اور اگر آپ ﷺ مال و دولت چاہتے ہیں تو جو مطالبہ کریں گے پورا کیا جائے گا. اس کا یہ جواب سن کر آپ ﷺ تشریف لے گئے. دوسرے دن آپ ﷺ پھر تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ اب کیا خیال ہے؟ وہ بولا میرا وہی خیال ہے جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے ویسے ہی بندھا رہنے دیا۔ تیسرے دن تشریف لائے اور پوچھا ثمامہ اب کیا خیال ہے وہ بولا وہی ہے جو میں پہلے کہہ چکا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو ازاد کر دو۔ ثمامہ رہا ہو کر مسجد کے قریب ایک تالاب پر گیا اور غسل کر کے مسجد میں واپس آیا اور بلند اواز سے کہنے لگا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ تعالی کے سچے رسول ہیں۔ اے محمد ﷺ میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے بڑھ کر مبغوض نہیں تھا اور اب میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ ﷺ کے روخ زیبا سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے اور اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ ﷺ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہیں تھا اور اب آپ ﷺ کے دین سے بڑھ کر کوئی دین مجھے محبوب نہیں ہے اور اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ ﷺ کے شہر سے بڑھ کر مبغوض نہیں تھا اور اب مجھے آپ کے شہر سے بڑھ کر کوئی شہر محبوب نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے سواروں نے مجھے اس وقت پکڑا تھا جب میں عمرہ کرنے جا رہا تھا اب آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟

رسول کریم ﷺ نے اسے مبارک باد دی اور عمرہ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ مکہ میں آئے تو کسی نے کہا تم بے دین ہو گئے ہو۔ انہوں نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں اور اللہ تعالی کی قسم تمہارے پاس یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا جب تک نبی کریم ﷺ حکم نہیں دیں گے۔

سیرت النبی ﷺ کا یہ واقعہ حکمت نبوی ﷺ کا شاہکار ہے اور اس بات کو پوری طرح واضح فرما دیتا ہے کہ آپ ﷺ کس طرح لوگوں کا ضمیر جگاتے اور پھر کس طرح آپ ﷺ کو اس کے مثبت نتائج ملتے تھے۔

جس شخص کو گرفتار کیا گیا تھا وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا ایک طاقتور قبیلے کا سردار تھا اور یہ ایک ایسا اسلام کا دشمن تھا جس نے کئی مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔ جب اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کی رائے دریافت کی تو اسے اپنے رویے پر کوئی شرمندگی نہیں تھی اسے اپنی زیادتیوں پر کوئی ندامت نہیں تھی وہ اس حالت میں بھی آپ ﷺ سے کسی رحم کا طالب نہیں تھا بلکہ انتہائی

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

تلخ اور تند لہجے میں جواب دیتا تھا اور ایسا صرف ایک دن نہیں ہوا مسلسل تین دن ہوا۔ اگر رسول کریم ﷺ اس پر سختی کرتے اور اسے سزا دیتے تو یہ کوئی زیادتی نہ ہوتی وہ اس کا مستحق تھا لیکن اس طرح کرنے سے اس کے جذبات مزید بھڑکتے اور اس کی انا جاگ پڑتی اور عین ممکن تھا وہ بعد میں مسلمانوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کر دیتا کیونکہ وہ ایک طاقتور قبیلے کا سردار تھا اور اگر اسے قتل بھی کر دیا جاتا تو تب بھی اس کا قبیلہ کوئی انتقامی کاروائی ضرور کرتا اور وہ ہدایت سے محروم تو رہ ہی جاتا۔

رسول کریم ﷺ نے اس پر سختی نہیں کی اسے اس کے جرائم کی سزا نہیں دی اور کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جس سے اس کی انا جاگتی۔ آپ ﷺ نے اسے رہا کر کے اس کے ضمیر کو جگا دیا۔ جب اسکا ضمیر جاگا تو وہ رہا ہونے کے باوجود آپ کی محبتوں کے اسیر ہو گیا اور آپ ﷺ کا روئے زیبہ جو ان کے نزدیک روئے زمین پر پائے جانے والے تمام چہروں سے مبغوض تھا وہ پوری کائنات کے چہروں سے محبوب ہو گیا اور تمام جہان کے شہروں سے محبوب ہو گیا اور آپ ﷺ کا دین انہیں تمام ادیان سے محبوب ہو گیا اور پھر وہ مشرکین مکہ سے کہتے ہیں کہ یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی تم تک نہیں پہنچ سکتا جب تک رسول کریم ﷺ اس کی اجازت مرحمت نہیں فرمائیں گے۔

حکمت نبوی ﷺ کے اس پہلو سے یہ حقیقت پوری آب و تاب سے واضح ہو جاتی ہے کہ کسی کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنا کہ اس کی انا جاگے خلاف حکمت ہے اور اپنے لیے مسائل پیدا کرنے کا دوسرا نام ہے اور ایسا رویہ اختیار کرنا کہ اس کا ضمیر جاگے ایک ایسا رویہ ہے جو مبنی بر حکمت ہے اس طرح دشمن دوست بن جاتے ہیں اور ان کی جو طاقت آپ کے خلاف استعمال ہوتی تھی وہ آپ کے حق میں استعمال ہو گی اور اپنی انا کو مارے بغیر یہ بلند مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔

حکمت نبوی ﷺ کا شاہکار وحشی بن حرب کا معاملہ بھی ہے جو کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتل تھے اور امیر حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ آپ ﷺ کو بہت ہی محبوب تھے۔ ظاہر ہے انہیں شہید کرنے والا آپ کے نزدیک بہت ہی مبغوض ہو گا جب ایک طویل عرصے کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کا قاتل آپ ﷺ کے سامنے آتا ہے تو آپ ﷺ نے نہ اسے سزا دی نہ اسے ڈانٹا اور نہ ہی خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔ اگر آپ ﷺ اسے سزا دیتے یا اسے ڈانٹتے تو اس کا ضمیر کبھی نہ جاگتا اور اگر اسے خندہ پیشانی سے ملتے تو تب بھی اسے اپنی غلطی کا احساس نہ ہوتا تو آپ ﷺ نے اس سے اقرار کروانے کے بعد کہ وہی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کا قاتل ہے اسے صرف یہ فرمایا کہ تم ہمارے سامنے نہ آیا کرو مراد یہ ہے کہ میں تمہیں سزا تو نہیں دیتا لیکن میرے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کا دکھ کوئی بھولنے والی چیز نہیں ہے کہ تمہیں دیکھ کر وہ دکھ تازہ ہو جاتا ہے اس لیے تم میرے سامنے نہ آیا کرو تمہیں ندامت نہیں ہو گی اور میرا دکھ تازہ نہیں ہو گا۔ اس جملے میں جو کرب مخفی تھا اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا رسول کریم ﷺ کا یہی حکمت بھرا اسلوب تھا جس نے حضرت وحشی کے ضمیر کو جگا دیا اور وہ اپنی اس غلطی کا کفارہ ادا کرنے کا کوئی طریقہ سوچنے لگے پھر جب مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ کا معاملہ آیا تو انہوں نے سوچا میں بھی چلتا ہوں شاید میں مسیلمہ کو قتل کر کے اپنے پہلے گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جو قوت پہلے اسلام کے خلاف استعمال ہوتی تھی اب وہ اسلام کے حق میں استعمال ہونے لگی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حکمت کا تقاضا یہ نہیں کہ کسی کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ اس کی انا جاگ پڑے اور پھر زندگی میں مزید بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں بلکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ اس کا ضمیر جاگ پڑے تو تب اس کی طاقت جو آپ کے خلاف استعمال ہوتی تھی آپ کے حق میں استعمال ہونے لگے گی۔ اس سے دشمن دوست بن جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے دن بھی آپ ﷺ نے ان لوگوں کے ضمیر جگا دیے تھے تو اسلام کے وہی دشمن اسلام کے مجاہد بن گئے تھے۔ حکمت کا یہی پہلو سیرت نبوی ﷺ کا پیغام ہے اس میں جتنا غور کیا جائے اتنے ہی حقائق منکشف ہوتے جاتے ہیں۔

NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

5. حکمت معاملات کے ذریعے لوگوں کو مطمئن کرنا

زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جب ایک انسان اپنی برتر حیثیت کے سبب دوسرے انسان کو مطمئن کرنا ضروری نہیں سمجھتا بلکہ اس کی رائے کو دبا دیتا ہے اور دوسرا انسان اپنی کمتر حیثیت کے سبب خاموش تو ہو جاتا ہے کوئی صدائے احتجاج بھی بلند نہیں کرتا لیکن وہ اندر سے مطمئن نہیں ہوتا اور اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے۔ اس کے سینے میں یہی دبی چنگاری سلگتی رہتی ہے اور کبھی نہ کبھی شعلہ بن کے ابھرتی ہے۔

حکمت نبوی کا درس یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی کے مقابلے میں ایک برتر حیثیت بھی رکھتا ہو تو اسے دوسرے کی اواز اور رائے کو دبانا نہیں چاہیے بلکہ اسے مطمئن کرنا چاہیے۔ اگر دوسروں کی رائے کو دبانے کا طریقہ عمل اختیار کیا جائے تو انسان اپنی زندگی میں بہت سے مسائل پیدا کر لیتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی سیرت مقدس کے مقدم متعدد واقعات کئی حیثیتوں سے اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں اس کی ایک واضح مثال ہمیں غزوہ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر نظر آتی ہے۔ حنین کے موقع پر جتنا مال غنیمت مسلمانوں کو ملا تھا اس کی مثال پہلے نہیں ملتی تھی اس موقع پر رسول کریم ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے تالیف قلوب کے لیے ان لوگوں کو زیادہ مال دیا جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے تاکہ انہیں اسلام پر استحکام نصیب ہو۔ جنہیں مال غنیمت اپنے حصے سے کم ملا تھا رسول امین ﷺ نے ان کی رائے کو دبایا نہیں تھا بلکہ انہیں مطمئن کیا تھا۔ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ اپ نے عیینہ اور اقرع کو سو سو اونٹ دیے ہیں جبکہ جمیل بن سراقہ القمری کو اس مال میں سے کچھ بھی عطا نہیں فرمایا جبکہ وہ بہت پہلے اسلام کو قبول کرنے والے اور اصحاب صفہ میں سے ہیں اور وہ بہت زیادہ تنگ دست بھی ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کو ڈانٹا نہیں اور یہ فرما کر اس کی رائے کو دبا نہیں دیا کہ یہ میرا فیصلہ ہے تم کون ہوتے ہو میرے فیصلے پر اعتراض کرنے والے بلکہ آپ ﷺ نے اسے مطمئن کیا اور فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے عیینہ اور اقرع کو سو سو اونٹ اس لیے دیے ہیں کہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو اور ان کے دل اسلام پر مستحکم ہو جائیں یہاں تک جمیل بن سراقہ کا تعلق ہے:

توکلت جمیلا الی اسلامه[20]

"میں نے جمیل کو اس کے اسلام کے حوالے کر دیا"

یعنی وہ اسلام سے سچی محبت کرنے والے ہیں وہ اس بات کو سمجھیں گے اور کسی بھی سوءِ ظن کا شکار نہیں ہوں گے۔

اسی وقت ایک اور بڑا ایمان افروز اور حکمت نبوی ﷺ کا شاہکار واقعہ پیش آیا کچھ انصار کی زبان سے نکل گیا کہ رسول کریم ﷺ کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کہ آپ ﷺ قریش کو تو بڑی فیاضی سے نوازتے ہیں اور مال تقسیم کرتے وقت ہمیں بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی دشمنان اسلام کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں جب لڑائی کا موقع آتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور جب مال غنیمت تقسیم کرنے کا موقع آتا ہے تو پھر مکہ والے یاد آجاتے ہیں۔ ایک شخص نے تو یہ بھی کہا کہ میں تو تمہیں پہلے ہی کہا کرتا تھا کہ جب رسول کریم ﷺ مشکلات سے نکلیں گے اور آپ ﷺ کے حالات درست ہو جائیں گے تو آپ ﷺ پھر اپنے قبیلے کو ہی ترجیح دیں گے۔ اس شخص کی یہ بات سن کر دوسرے لوگوں نے اسے جھڑکا اور اس کی اس بات پر اسے عار دلائی۔ واضح رہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ایسی باتیں آئی تھیں ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں تھا بلکہ یہ ان کے شبہات تھے جو ابھی ان کے زیر تربیت ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچی ہے۔ جب ان میں سے کسی سے بھی کوئی ایسی بات سرزد ہو گئی جس کا نہ ہونا بہتر تھا اور ان پر حقیقت حال واضح کر دی گئی پھر انہوں نے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا۔ اس صورتحال میں ایک ایسی فضا بنتی جا رہی

NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

تھی جو کسی بھی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی اسی دوران ایک دن حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ بار گاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کمال صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے آپ سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ انصار کے دل میں کچھ تحفظات پیدا ہو گئے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے تو انہوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ نے سارا مال دیگر لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے اور انصار کو اس سے محروم رکھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا سعد اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے تو نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے عرض کی کہ میں بھی اپنی ہی قوم کا ایک فرد ہوں جو ان کی رائے ہے وہی میری رائے ہے۔ یہ بھی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی عظمت کا ایک پہلو ہے کہ وہ اپنی جو کیفیت محسوس کرتے اسے بار گاہ رسالت میں عرض کر دیتے تا کہ رسول کریم ﷺ اس کا مداوی فرمائیں اور تزکیہ نفس اور طہارت قلبی میں ان کا مقام بلند سے بلند تر ہوتا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے کسی خفگی کا اظہار نہیں فرمایا اور ان کی رائے کو دبایا نہیں بلکہ آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنی قوم کو جمع کرو تعمیل ارشاد کرتے ہوئے انصار ایک چھپر کے نیچے جمع ہو گئے رسول کریم ﷺ تشریف لائے آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھ تک پہنچی ہے اور تم اپنے دلوں میں مجھ سے کیا ناراضی محسوس کر رہے ہو کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم گمراہ تھے اور تمہیں اللہ تعالی نے میری وجہ سے ہدایت دی ت۔ تم مفلس تھے تو اللہ تعالی نے میری وجہ سے تمہیں غنی کیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالی نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی۔ سب انصار نے جواب دیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! اللہ تعالی اور اس کا رسول ہی سب سے بڑھ کر احسان فرمانے والے اور سارا احسان اور فضل و کرم تو اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ آپ ﷺ نے پر جلال انداز میں فرمایا اگر تم چاہتے تو یہ جواب دیتے اور تمہاری بات سچی ہوتی جسے کوئی جھٹلا نہ سکتا۔ تم کہتے کہ یا رسول اللہ مکہ والوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور ہم نے تصدیق کی جب لوگوں نے آپ ﷺ کو تنہا چھوڑا تو ہم نے آپ کی نصرت کی۔ جب مکہ والوں نے آپ پر مکہ کی زمین تنگ کر دی تو ہم نے آپ کو یہاں آنے کی دعوت دی اور اپنے دروازے آپ ﷺ کے لیے کھول دیے۔ ہم نے اپنا مال وزر آپ کے قدموں میں نچھاور کر دیا۔ تم مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے اپنے دلوں میں ایک انقباض محسوس کر رہے تھے حالانکہ میں نے یہ مال انہیں اس لیے دیا تا کہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو جائے اور میں نے تمہیں اسلام کے سپرد کر دیا پھر اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے جو فرمایا اسے سن کر انصار اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ وَالْبُعْرَانِ يَعْنِي الْبَقَرَ وَتَذْهَبُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتُدْخِلُونَهُ بُيُوتَكُمْ لَوْ أَنَّ النَّاسَ سَلَكُوا وَادِيًا أَوْ شُعْبَةً وَسَلَكْتُمْ وَادِيًا أَوْ شُعْبَةً سَلَكْتُ وَادِيَكُمْ أَوْ شُعْبَتَكُمْ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنْ الْأَنْصَارِ وَإِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ--------------[21]

اے گروہ انصار کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ تو بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے گھروں کو جاؤ مجھے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا اگر لوگ گھاٹی میں چلتے اور انصار ایک گھاٹی میں چلتے تو میں اس گھاٹی میں چلتا جس میں انصار چل رہے ہوتے۔ اے اللہ انصار پر رحم فرما انصار کے بیٹوں پر رحم فرما اور انصار کے پوتوں پر رحم فرما۔ یہ سن کر انصار اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں انسوں سے بھیگ گئیں وہ پکار اٹھے اللہ کے رسول نے جو تقسیم فرمائی اور ہمیں جو حصہ عطا فرمایا ہم اس پر راضی ہیں پھر رسول کریم ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔

NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

سیرت نبوی کا یہ واقعہ حکمت معاملات کی روح کو واضح کر رہا ہے۔ انصار کے دل میں ایک سوال پیدا ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی رائے کو دبایا نہیں بلکہ انہیں مطمئن کیا۔ کسی کی رائے کو دبانے سے بد گمانیاں جنم لیتی ہیں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں اور کسی کو مطمئن کرنے سے اعتماد بڑھتا ہے، محبتیں پروان چڑھتی ہیں اور مسائل کا حل نکلتا ہے۔ اسی حکمت کا ایک اور رخ لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا بھی ہے۔ اگر کسی کی بھی حوصلہ شکنی کی جائے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے، ممکن ہے رد عمل میں منفی سوچ اپنالے۔ اپنے لیے بھی مسائل پیدا کرے اور دوسروں کے لیے بھی۔ سیرت النبی کا درس یہ ہے کہ لوگوں کی حصہ حوصلہ شکنی نہ کی جائے اور اس سے مسائل جنم لیں گے بلکہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس سے ان کی ڈھارس بندھے گی انہیں قلبی اطمینان ملے گا وہ اپنے لیے بھی مفید ہوں گے اور معاشرے کے لیے بھی۔ اس کی ایک واضح مثال غزوہ موتہ کے تناظر میں سمجھی جاسکتی ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد صرف 3 ہزار تھی اور ان کے مقابلے میں آنے والے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ تین سپہ سالاران کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کو جب سپہ سالار بنایا گیا تو آپ نے رومی فوج کا مقابلہ کیا اور باقی ماندہ فوج کو بڑی کامیابی سے لے کر واپس مدینہ پہنچے بعض روایات کے مطابق انہوں نے دشمن پر فتح پالی لیکن ان کا تعاقب نہیں کیا جیسا کہ موسی بن عقبہ نے اپنی کتاب المغازی میں اس مقام پر وضاحت کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور حکمت کی راہ اپناتے ہوئے آپ باقی ماندہ لشکر کو لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن عام لوگوں نے موقع کی اس نزاکت کو نہ سمجھا اور وہ حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ کو داد دینے کی بجائے ان پر جملے کسنے لگے۔

جعل الناس یحثون علی الجیش التراب ویقولون یا فرار فررتم فی سبیل الله قال فیقول رسول الله ﷺ لیسوا بالفرار ولکنهم الکرار ان شاءالله تعالی[22]

"تو لوگ لشکر پر مٹی ڈالنے لگے اور کہنے لگے اے بھاگنے والو تم راہ خدا میں بھاگے ہو رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ بھاگنے والے نہیں ہیں انشاءاللہ یہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں"

آپ ﷺ کی اس حوصلہ افزائی نے انہیں ایک عزم نو دے دیا اور وہ تازہ ولولوں کے ساتھ خدمات اسلام میں مگن ہو گئے۔

6. نتائج مضمون

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کا پیغام ہے کہ مسائل حیات کے حل میں حکمت معاملات میں مندرجہ ذیل پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے:

1. معاملات حیات میں ہر شخص کے وقار اور عزت نفس کو بحال رکھا جائے۔
2. لوگوں سے معاملات کرتے ہوئے لوگوں کے مزاج کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔
3. کسی بھی کام کو اس کے مناسب وقت پر کیا جائے۔۔
4. لوگوں کے ضمیر کو جگایا جائے نہ کہ انا کو۔
5. لوگوں کی رائے کو دبایا نہ جائے بلکہ انہیں مطمئن کیا جائے۔
6. معاملات میں حوصلہ افزائی کی جائے حوصلہ شکنی نہ کی جائے۔
7. معاملات میں زمینی حقائق کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے۔

اگر حکمت نبوی کے ان پہلوؤں کو چھوڑا جائے گا تو زندگی مسائل سے اس طرح بھر جائے گی کہ زندگی ختم ہو جائے گی، لیکن مسائل ختم نہیں ہوں گے۔

1 القرآن،269:2

*Al-Quran,*2:269

2 ابن ہشام، سیرت النبویہ، دارالریان، القاہرہ، ج1، ص224

Ibn e Hasham,Seerat u Nabwiyya, Darul Riyyan, Alqahira.V1, p.224

3 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج2، ص136

Ibn e Hasham, Alseerat u Nabwiyah,V2, P.136

4 البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دارلتراث، لبنان، 1985ء، رقم الحدیث:2661

Al-Bukhari, Muhammad Bin Ismaeel,Sahih AlBukhari, Hadith No:2661

5 القرآن،84:17

*Al-Quran,*17:84

6 البخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث:3150

Al-Bukhari,Hadith No:3150

7 البخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث:1008

Al-Bukhari,Hadith No:1008

8 البخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث:4640

Al-Bukhari,Hadith No:4640

9 امام بیہقی، السنن الکبری، دارالکتب، بیروت، رقم الحدیث:7643

Imam Behaqi,AlSunan Alkubra,Darulkutub,Beruit, Hadith No:7643

10 ابو داؤد، سنن ابو داؤد، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ص129، رقم الحدیث:1678

Adu Daood,Sunan Abu Daood,Almaktabt u alasriyyah, Bairuit, P.129, 1678

11 ایضاً، ص162، رقم الحدیث:3021

Ibid,P.162, Hadith No:3021

12 امام بیہقی، شعب الایمان، مکتبۃ رشد، الریاض ج6، ص352

Imam Behaqi,Shebul Iman,Maktabtu Rushd, Al-Riyad V6, P.352

13 امام ابن شاہین، الترغیب فی فضائل الاعمال، ج1، ص85

amal,Imam Ibe Shahhen, AlterGheeb fi Fazail Al Amaal,V1,P.85

14 البخاری، صحیح البخاری، ص185، رقم الحدیث:4993

Al-Bukhari, Sahih Bukhari, Hadith No:4993

15 سنن ابو داؤد، ص163، رقم الحدیث:3025

Sunan Abu Daood, Hadith No: 3025

16 مبارک بن جزری، جامع الاصول فی احادیث الرسول، مکتبہ دارالبیان، ج8، ص414

Mubarak Bin Jazri, Jam'e ul Usool Fi Ahadees U Rasool, Maktaba Darulbian, V8, P.414

17 القرآن،77:4

*Al-Quran,*4:77

18 اسماعیل ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج3، ص42

Ismaeel Ibn e Kaseer, AlBadaya Wan'nahaya, Darul Ahya Alturasul Arbi,Beiruit,V3, P.42

19 البخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث:4372

NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur

Vol.3, Issue 01, Jan. to June. 2025,
Page No. 86-105

Al-Bukhari, Sahih Bukhari,P.170, Hadith No:4372

20 ابو نعیم اصفہانی،حلیۃ الاولیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج1، ص353

Abu Naeem Asbahani, Hulyatul Awlya, Darulkutub ul Ilmiyyah, Beiruit, v.1,p.353

21 امام احمد بن حنبل، مسند احمد، رقم الحدیث:854

Imam Ahmad Bin Hanmbal, Musnad Ahmed , Hadith No:854

22 محمد بن یوسف شامی، سبل الہدیٰ والرشاد، ج6، ص156

Muhammad Bin Yousuf Shami Sublulhuda warrishad,, V6, P.156